# اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

## (۸)

## (ایمان)

ایمان کی حقیقت شخصی کردار میں اس کی بنیادی اہمیت، اور اجتماعی تہذیب میں اس کی اساسی حیثیت آپ کو معلوم ہو چکی ہے، اب دیکھئے کہ اسلام نے کن چیزوں پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے؟ اس کے ایمانیات عقلی تنقید کے معیار پر کس حد تک پورے اترتے ہیں؟ اس کے نظام میں ایمان کی حیثیت کیا ہے؟ اور انسان کے شخصی کردار اور اجتماعی سیرت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

**اسلام کے ایمانیات** قرآن مجید میں اسلام کے ایمانیات اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ ان میں کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے مگر جن لوگوں نے قرآن کے اسلوب بیان کو نہیں سمجھا ہے یا اس کے مضامین کا احاطہ نہیں کیا ہے، ان کو چند در چند غلط فہمیاں ہو گئی ہیں۔ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ کہیں وہ تمام ایمانیات کو یکجا بیان کرتا ہے، اور کہیں موقع و محل کے لحاظ سے بعض اجزا یا صرف ایک جز بیان کر کے اُسی پر زور دیتا ہے۔ اس سے لوگ یہ سمجھے کہ اسلام کے ایمانیات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے یعنی ان میں سے کسی ایک یا بعض پر ایمان لانا کافی ہے، اور بعض کے انکار کرنے کے باوجود انسان فلاح پا سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کا ناطق فیصلہ یہ ہے کہ جتنے امور اس نے ایمانیات کے طور پر پیش کئے ہیں ان سب کو ماننا ضروری ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سب مل کر ایک ناقابل تجزیہ و تحلیل کل بناتے ہیں، جس کو من حیث المجموع تسلیم کرنا چاہئے۔ اگر ان میں سے ایک کا بھی انکار کیا گیا تو وہ باقی سب کے اقرار کو باطل کر دے گا۔

قرآن میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔
(۴۱: ۳)

اس آیت میں صرف خدا پر ایمان لانے کا ذکر ہے اور اسی پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

دوسری جگہ خدا کے ساتھ یوم آخر کا بھی ذکر ہے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ (۲: ۸) یہی مضمون آل عمران (۱۲) مائدہ (۱۰) اور رعد (۳) میں بھی ہے۔

تیسری جگہ خدا اور رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۳: ۱۸) یہی مضمون حدید (۴) میں بھی ہے۔

ایک اور جگہ ایمان دار اس شخص کو کہا گیا ہے۔ جو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۲۴: ۹) محمد (۴) جن (۲) اور اعلیٰ (۱) میں اسی مضمون کا اعادہ ہے۔

ایک جگہ خدا، محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن تین چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (۲۴: ۱)

ایک جگہ خدا کتب الٰہی، قرآن اور یوم آخر چار چیزوں کا ذکر ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ...... وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (۴: ۲۲)۔

ایک اور جگہ خدا، ملائکہ انبیاء اور قرآن کے انکار کو کفر و فسق قرار دیا گیا ہے مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَکْفُرُ بِھَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ (۲: ۱۲)۔

ایک جگہ اللہ، ملائکہ، کتب الٰہی، انبیاء اور قرآن پر ایمان لانے والوں کو مومن کہا گیا ہے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ (۲: ۴۰)۔

دوسری جگہ ایمان کے پانچ اجزا بیان کئے گئے ہیں۔ ایمان باللہ و یوم آخر۔ و ملائکہ و کتب آلہی وانبیاء۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ....... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: ۲۲)۔

سورہ النساء میں مذکورہ بالا پانچ کے ساتھ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر بھی ایمان للانے کی تاکید کی گئی ہے اور ان کا انکار کرنے والے کو کافر اور گمراہ قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو رکوع ۲۰)

ایک جگہ صرف یوم آخر کے اقرار پر زور دیا گیا ہے اور اس کے انکار کو نامرادی کا سبب بتلایا گیا ہے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ (۶: ۴) اسی مضمون کا اعادہ اعراف (۱۷) یونس (۱) فرقان (۲) نحل (۱) صافات (۱) میں ہے۔

دوسری جگہ یوم آخر کے ساتھ کتب آلہی کے انکار کو بھی عذاب الیم کا موجب قرار دیا گیا ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۔ (۷۸: ۱)۔

تیسری جگہ یوم آخر اور کتب آلہی کے ساتھ قرآن کو بھی ایمانیات میں شامل کیا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: ۱)

چوتھے مقام پر کہا گیا ہے کہ یوم آخر، کتب آلہی اور انبیاء کے انکار سے تمام اعمال پر پانی پھر جاتا ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہے اور اس کے عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ (۱۸: ۱۲)۔

کتب آلہی پر ایمان لانے کا اوپر بار بار ذکر آیا ہے، اور ان میں سے تورات، انجیل، زبور، اور صحف ابراہیم کے نام تصریح کے ساتھ لئے گئے ہیں۔ مگر قرآن میں بیسیوں مقامات پر بھی صاف کہدیا گیا ہے کہ ان کتابوں کا ماننا ہرگز کافی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ قرآن کا ماننا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص تمام کتابوں کو مانتا ہو اور قرآن کو نہ مانتا ہو، تو وہ اسی طرح کافر ہے جس طرح تمام کتابوں کا انکار

کرنے والا ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (۱۱-۱۲-۱۴-۱۶) نساء (۷) مائدہ (۲-۱۰) رعد (۳) عنکبوت (۵) زمر (۲)
بھی نہیں بلکہ خدا کی بھیجی ہوئی ہر کتاب کو پورا کا پورا ماننا لازم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی بعض باتوں کو مانے
اور بعض کو نہ مانے تو وہ بھی کافر ہے۔ (۲:۱۰)

اسی طرح انبیاء کے متعلق تصریح ہے کہ ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے جن کے نام لئے گئے ہیں
ان پر تفصیلاً اور جن کے نام نہیں ہیں ان پر اجمالاً لیکن اگر کوئی شخص تمام انبیاء پر ایمان رکھتا ہو اور صرف محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔ قرآن میں ایک جگہ نہیں بیسیوں مقامات پر اس
کی تصریح کی گئی ہے۔ اور تمام انبیاء کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کو ایمان کی لازمی شرط
قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (۱۴) نساء (۲۳) مائدہ (۳-۱۱) انعام (۱۹) اعراف (۱۹-۲۰) انفال
(۳) مومنون (۴) شوریٰ (۵) محمد (۱) طلاق (۲) ان میں سے اکثر آیات ایسی ہیں جن میں حضرت موسیٰ
اور حضرت عیسیٰ کی امتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جب تک
تم قرآن اور محمد صلعم پر ایمان نہ لاؤ تم کو ہدایت نہیں مل سکتی۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ایمانیات پانچ ہیں (۱) خدا (۲) ملائکہ (۳) کتب الٰہی
جن میں قرآن بھی شامل ہے (۴) انبیاء جنہیں رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں (۵) یوم آخر یعنی
قیامت۔ یہ اجمال ہے آگے چل کر بتایا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلی عقیدہ کیا ہے؟ ان
میں باہم کیا تعلق ہے جس کی وجہ سے ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا، اور ایک کے انکار سے سب کا انکار لازم
آتا ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کو ایمانیات میں داخل کرنے کا فائدہ کیا ہے؟

**عقلی تنقید** | یہ پانچوں ایمانیات امور غیب کے قبیل سے ہیں، اور عالم آب و گل سے ماوراء،
اس لئے ہماری تقسیم کے مطابق یہ مذہبی و روحانی ایمانیات ہیں لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے
ان پر اپنے روحانی نظام ہی کی نہیں بلکہ اخلاقی سیاسی اور تمدنی نظام کی بنیاد بھی رکھی ہے۔ اس نے دین

اور دنیا دونوں کو باہم ملا کر ایک ایسا نظام وضع کیا ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے تمام شعبے حرکت کرتے ہیں، اور اس نظام کو اپنے قیام و بقا اور اپنے تصرفات کے لئے جتنی طاقت کی ضرورت ہے وہ سب انہی پانچوں ایمانیات سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس کے لئے قوت کا ایک لامتناہی سرچشمہ ہیں جس کی رسد کبھی بند نہیں ہوتی۔ اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ جن ایمانیات سے اتنا بڑا کام لیا گیا ہے۔ وہ عقلی حیثیت سے کیا پایہ رکھتے ہیں؟ اور ان میں کسی ایسے ہمہ گیر اور ترقی پذیر نظام کے لئے اساس اور منبع قوت بننے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے؟

اس سوال کی تحقیق میں قدم آگے بڑھانے سے پہلے ہم کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھنی چاہتا ہے جو صحیح معنوں میں انسانی تہذیب ہو۔ یعنی اس کا تعلق کسی خاص ملک، یا نسل کے لوگوں سے نہ ہو، نہ کوئی مخصوص رنگ رکھنے والی یا مخصوص زبان بولنے والی قوم اس کے ساتھ اختصاص رکھتی ہو۔ بلکہ تمام نوع انسانی کی فلاح اس کی مقصود ہو۔ اور اس کے زیر اثر ایک ایسا نظام اجتماعی قائم ہو سکے جس میں ہر اس چیز کو پرورش کیا جائے جو انسان کے لئے بحیثیت انسان ہونے کے خیر و صلاح ہے اور ہر اس چیز کو مٹایا جائے جو اس کے لئے شر اور فساد ہے، ایسی ایک خالص انسانی تہذیب کی بنیاد ان ایمانیات پر نہیں رکھی جا سکتی جو عالم آب و گل سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لئے کہ مادیات اور محسوسات دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو وہ ایسے ہیں جن کے ساتھ تمام انسانوں کا تعلق یکساں ہے، مثلاً سورج، چاند، زمین، ہوا، روشنی وغیرہ۔ یا ایسے ہیں جن کے ساتھ تمام انسانوں کا تعلق یکساں نہیں ہے، مثلاً وطن، نسل، رنگ، زبان وغیرہ۔ پہلی قسم کی چیزوں میں تو ایمانیات بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، کیونکہ ان کے نفس وجود پر ایمان لانا تو محض بے معنی ہے، اور ان پر اس حیثیت سے ایمان لانا کہ وہ انسان کی صلاح میں کوئی اختیاری تاثیر رکھتے ہیں۔ از روئے علم و عقل غلط ہے۔ علاوہ بریں ان پر کسی حیثیت سے بھی ایمان لانے کا کوئی نفع انسان کی روحانی، اخلاقی اور عملی زندگی میں مترتب نہیں ہوتا۔ رہیں دوسری قسم کی چیزیں، تو یہ ظاہر ہے کہ وہ ایک مشترک انسانی تہذیب کے لئے اساس نہیں بن سکتیں، کیونکہ وہ بنائے تفریق و

تقسیم ہیں، نہ کہ بنائے جمع و تالیف۔ لہٰذا یہ قطعاً ناگزیر ہے کہ اس قسم کی تہذیب کی بنیاد ایسے ایمانیات پر رکھی جائے جو مادیات و حسیات سے ماوراء ہوں۔

لیکن ان کا محض مادیات و حسیات سے ماوراء ہونا ہی کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ ضرورت ہے کہ ان میں چند اور خصوصیات بھی پائی جائیں۔

۱۔ وہ خرافات اور اوہام نہ ہوں بلکہ ایسے امور ہوں جن کی تصدیق پر عقل سلیم مائل ہو سکتی ہو۔

۲۔ وہ دور از کار باتیں نہ ہوں بلکہ ہماری زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہو۔

۳۔ ان میں ایسی معنوی قوت ہو جس سے تہذیب کا نظام، انسان کے قوائے فکر و عمل پر تسلط قائم کرنے میں پوری طرح مدد حاصل کرسکے۔

اس لحاظ سے جب ہم اسلام کے ایمانیات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تینوں آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں۔

اولاً اسلام نے خدا، ملائکہ، وحی، رسالت اور یوم آخر کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں کوئی استحالۂ عقلی نہیں ہے، اس کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا صحیح ہونا غیر ممکن ہو، نہ کوئی ایسی بات ہے جس کو ماننے سے عقل سلیم انکار کرتی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عقل ان کا احاطہ نہیں کرسکتی ان کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی، ان کی حقیقتوں کو کماحقہٗ نہیں سمجھ سکتی، لیکن ہمارے اہل علم و حکمت نے اب تک جتنے مجردات و مفارقات کی تصدیق کی ہے ان سب کا یہی حال ہے۔ توانائی (انرجی) حیات، جذب و کشش، نشو و ارتقاء اور ایسے ہی دوسرے امور کی تصدیق ہم نے اس بناء پر نہیں کی ہے کہ ہم انکی حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ چکے ہیں، بلکہ اس بناء پر کی ہے کہ ہم نے جن مختلف قسم کے مخصوص آثار کا مشاہدہ کیا ہے ان کی توجیہ و تعلیل کے لئے ہمارے نزدیک ان امور کا موجود ہونا ضروری ہے، اور ظواہر اشیاء کے باطنی نظام کے متعلق جو نظریات ہم نے قائم کئے ہیں وہ ان امور کے موجود ہونے کا اقتضاء کرتے ہیں۔ پس اسلام جن مجردات

ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ان کی تصدیق کے لئے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہماری عقل ان کی حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ لے اور ان کا احاطہ کرلے بلکہ اس کے لئے صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کائنات اور انسان کے متعلق جو نظریہ اسلام نے قائم کیا ہے۔ وہ خلاف عقل نہیں ہے، اس کا صحیح ہونا اغلب ہے اور وہ ان پانچوں امور کے وجود کا مقتضی ہے جو اسلام نے ایمانیات کی طور پر پیش کئے ہیں۔

اسلام کا نظریہ ہے کہ (۱) کائنات کا نظم ایک قادر مطلق ہستی کا قائم کیا ہوا ہے اور وہی اس کو چلا رہی ہے۔ (۲) اس قادر مطلق ہستی کے ماتحت بے شمار دوسری ہستیاں ہیں جو اس کے احکام کے مطابق اس وسیع کائنات کی تدبیر کر رہی ہیں۔

(۳) انسان کے وجود میں اس کے خالق نے خیر اور شر دونوں کے میلانات رکھے ہیں۔ دانائی اور نادانی، علم اور جہل دونوں کا اس کے اندر اجتماع ہے غلط اور صحیح دونوں طرح کے راستوں پر وہ چل سکتا ہے ان متضاد قوتوں اور متخالف میلانات میں سے جس کا غلبہ ہوتا ہے اسی کی پیروی انسان کرنے لگتا ہے۔ اس تنازع خیر و شر میں خیر کی قوتوں کو مدد پہونچانے اور انسان کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے اس کا خالق خود بنی نوع انسان ہی میں سے ایک بہتر آدمی کو انتخاب کرتا ہے اور اس کو علم صحیح عطا کرکے لوگوں کی ہدایت پر مامور کر دیتا ہے۔ (۴) انسان کوئی غیر ذمہ دار اور غیر مسئول ہستی نہیں ہے۔ وہ اپنے تمام اختیاری اعمال کے لئے اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ ایک دن اس کو ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ اور اپنے اعمال کے اچھے یا برے نتائج دیکھنے ہوں گے۔

یہ نظریہ خدا، ملائکہ، وحی، رسالت اور یوم آخر پانچوں امور کے وجود کا مقتضی ہے۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عقلاً محال ہو۔ نہ اس کی کسی چیز کو وہمیات و خرافات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے برعکس اس کے ہم اس پر جس قدر زیادہ غور کرتے ہیں اسی قدر اس کی تصدیق کی جانب ہمارا میلان بڑھتا جاتا ہے۔ خدا کی حقیقت خواہ ہماری سمجھ میں نہ آئے، مگر اس کا وجود تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں یہ ایک

ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر کائنات کا معما کسی طرح حل نہیں ہوتا۔ ملائکہ کے وجود کی کیفیت ہم متعین نہیں کر سکتے مگر ان کے نفس وجود میں شک کی گنجایش نہیں ہے۔ تمام اہل علم و حکمت نے ان کی ہستی کو کسی نہ کسی طور پر تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ وہ ان کو اس نام سے یاد نہیں کرتے جس سے قرآن نہیں موسوم کرتا ہے۔ قیامت کا آنا اور ایک نہ ایک دن دنیا کے نظام کا درہم برہم ہو جانا عقلی قیاسات کی رو سے اغلب بلکہ قریب بہ یقین ہے البتہ انسان کا اپنے خدا کے آگے جواب دہ ہونا، اور اپنے اعمال کے لئے مستوجب جزا و سزا ہونا کسی نقلی دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مگر عقل سلیم اس حد تک تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ انسان کی موت اور موت کے بعد کی حالت کے مطابق جتنے نظرئے قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہتر نتیجہ خیز اور اقرب الی القیاس نظریہ وہی ہے جو اسلام نے قائم کیا ہے۔ رہا وحی اور رسالت کا مسئلہ تو یہ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی سائنٹفک ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا۔ مگر جن کتابوں کو وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں کو خدا کا رسول کہا گیا ہے، ان کے معانی اور ان کی سیرتوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نوع انسانی کے افکار و اعمال پر ان کے برابر گہرے، وسیع، پائدار اور مفید اثرات کسی کتاب اور کسی رہنما نے نہیں ڈالے۔ یہ بات اس امر کا یقین کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان میں کوئی غیر معمولی بات ضرور تھی جو نہ انسانی تصنیفات کو نصیب ہے۔ اور نہ معمولی انسانی لیڈروں کو۔

اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ایمانیات عقل کے خلاف نہیں ہیں عقل کے پاس ان کی تکذیب کے لئے کسی قسم کا مواد نہیں ہے۔ ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ علمی اور عقلی ارتقا کے کسی مرتبہ پر پہنچ کر انسان ان کو رد کر دینے پر مجبور ہو جائے۔ بلکہ اس کے برعکس عقل اُن کی غلبیت کا حکم لگاتی ہے۔ رہا ایمان اور تصدیق کا معاملہ، تو اس کا تعلق عقل سے نہیں ہے، وجدان اور ضمیر سے ہے۔ ہم جتنے مجردات اور غیبیات کو مانتے ہیں، ان سب کی تصدیق دراصل ہمارے وجدان پر مبنی ہوتی ہے، اگر کسی امر غیب کو ہم نہ ماننا چاہیں، یا ہمارا دل اس پر نہ ٹھکتا ہو، تو کسی عقلی دلیل سے

ہم کو اس کی تصدیق پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر ایتھر کے وجود پر جتنے دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو یقینی طور پر اس کو ثابت کر دیتا ہو، اور اس کی صحت میں شک کی گنجائش نہ چھوڑتا ہو انہیں دلائل کو دیکھ کر بعض اہل حکمت اس پر ایمان لے آتے ہیں، اور انہیں کو بعض دوسرے حکماء ناکافی سمجھ کر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ پس تصدیق و ایمان کا انحصار در اصل ضمیر کے اطمینان اور وجدان کی گواہی پر ہے البتہ عقل کا اس میں اتنا دخل ضرور ہے کہ جن کی تصدیق عقل کے خلاف ہوتی ہے ان کے بارے میں وجدان اور عقل کے درمیان کشمکش برپا ہوتی ہے، اور ایمان ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور جن کی تصدیق قیاس عقلی کے خلاف نہیں ہوتی، یا جن کی تصدیق میں عقل بھی ایک حد تک مددگار ہوتی ہے، ان کے بارے میں ضمیر کا اطمینان زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور اس سے ایمان کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

ثانیاً غیبیات میں سے بیشتر امور ایسے ہیں جن کی حیثیت محض علمی ہے یعنی ان سے ہماری عملی زندگی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً جواہر فردہ ( Atoms ) برق پارے ( Electrons ) ایتھر ( Ether ) ھیولیٰ، صورت مطلقہ، مادہ، فطرت و قانون فطرت، قانون علت و معلول اور ایسے ہی بیسیوں علمی مسلمات یا مفروضات کہ ان کے ماننے یا نہ ماننے کا ہماری زندگی کے معاملات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اسلام نے جن امور غیب پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے وہ ایسے نہیں ہیں ان کی حیثیت محض علمی ہی نہیں ہے، بلکہ ہماری اخلاقی اور عملی زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہے ان کی تصدیق کو اصل الاصول قرار دینے کی وجہ یہی ہے کہ وہ محض علمی صداقتیں ہی نہیں ہیں، بلکہ ان کا صحیح علم اور ان پر کامل ایمان ہمارے نفسانی اوصاف و خصائل ہمارے شخصی اعمال اور اجتماعی معاملات پر شدت کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

ثالثاً اسلام کے نظام تہذیب کو مختلف عقلی اور علمی مراتب رکھنے والی وسیع انسانی آبادیوں کی زندگی کے مخفی اور جزئی سے جزئی شعبوں تک میں اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی گرفت مضبوط

رکھنے کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ صرف انہی ایمانیات سے حاصل ہو سکتی ہے جن کی تصدیق کا اسلام نے مطالبہ کیا ہے۔ یہ یقین کہ ایک سمیع و بصیر، قاہر و غالب اور رؤوف و رحیم خدا ہمارے اوپر حکمران ہے۔ اس کے بیشمار لشکر ہر جگہ ہر آن موجود ہیں پیغمبر اسی کا بھیجا ہوا ہے۔ جو احکام اس نے ہم کو دئے ہیں وہ اس نے خود نہیں گھڑے ہیں۔ بلکہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں، اور اپنی اطاعت یا سرکشی کا اچھا یا برا نتیجہ ہم کو ضرور دیکھنا پڑے گا۔ اپنے اندر وہ زبردست اور ہمہ گیر طاقت رکھتا ہے جو اس کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ مادی طاقتیں صرف جسم کو جکڑ سکتی ہیں۔ تربیت اور تعلیم کے اخلاقی اثرات انسانی سوسائٹی کے صرف اعلیٰ طبقوں تک پہنچ سکتے ہیں، قانون صرف وہاں کام کر سکتا ہے جہاں اس کے کارندوں کی پہنچ ہو، مگر یہ وہ قوت ہے جو دل اور روح پر قبضہ کرتی ہے، عوام اور خواص، جاہل اور عالم، دانشمند اور بے دانش سبھی کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے جنگل کی تنہائیوں اور رات کی تاریکیوں تک میں اپنا کام کرتی ہے، جہاں گناہ سے روکنے والا، اس پر ملامت کرنے والا حتیٰ کہ اس کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ وہاں خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین، پیغمبر کی دی ہوئی تعلیم کے برحق ہونے کا یقین، قیامت کی باز پرس کا یقین، وہ کام کرتا ہے جو نہ کوئی پولیس کا سپاہی کر سکتا ہے، نہ عدالت کا حاکم، نہ پروفیسر کی تعلیم۔ پھر جس طرح اس یقین نے معمورۂ ارضی پر پھیلے ہوئے بیشمار مختلف و متضاد انسانی عناصر کو جمع کیا، ان کو ملا کر ایک قوم بنایا، ان کے تخیلات، اعمال اور اطوار میں غایت درجہ کی یکجہتی پیدا کی، ان کے اندر اختلاف ظروف و احوال کے باوجود ایک تہذیب پھیلائی، اور ان میں ایک اعلیٰ مقصد کے لئے فداکاری کی والہانہ روح پھونکی اس کی مثال کہیں ڈھونڈے نہیں مل سکتی (باقی)